تفہیم القرآن

الفیل

نام پہلی ہی آیت کے لفظ اصحابُ الفیل سے ماخوذ ہے۔

زمانۂ نزول یہ سورۃ بالاتفاق مکی ہے۔ اور اس کے تاریخی پس منظر کو اگر نگاہ میں رکھ کر دیکھا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ اس کا نزول مکہ معظمہ کے بھی ابتدائی دور میں ہوا ہوگا۔

تاریخی پس منظر اس سے پہلے تفسیر سورۂ بروج حاشیہ ۴ میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ نجران میں یمن کے یہودی فرمانروا ذُونُواس نے پیروانِ مسیح علیہ السلام پر جو ظلم کیا تھا اُس کا بدلہ لینے کے لیے حبش کی عیسائی سلطنت نے یمن پر حملہ کر کے حِمْیَری حکومت کا خاتمہ کر دیا تھا اور ۵۲۵ء میں اِس پورے علاقے پر حبشی حکومت قائم ہو گئی تھی۔ یہ ساری کارروائی دراصل قسطنطنیہ کی رُومی سلطنت اور حبش کی حکومت کے باہمی تعاون سے ہوئی تھی، کیونکہ حبشیوں کے پاس اُس زمانے میں کوئی قابلِ ذکر بحری بیڑا نہ تھا۔ بیڑا رومیوں نے فراہم کیا اور حبش نے اپنی ۷۰ ہزار فوج اُسی کے ذریعہ سے یمن کے ساحل پر اُتاری۔ آگے کے معاملات سمجھنے کے لیے یہ بات ابتدا ہی میں جان لینی چاہیے کہ یہ سب کچھ محض مذہبی جذبے سے نہیں ہُوا تھا بلکہ اِس کے پیچھے معاشی و سیاسی اغراض بھی کام کر رہی تھیں، بلکہ غالباً وہی اِس کی اصل محرّک تھیں اور عیسائی مظلومین کے خون کا انتقام ایک بہانے سے زیادہ کچھ نہ تھا۔ رومی سلطنت جب سے مصر و شام پر قابض ہوئی تھی اُسی وقت سے اُس کی یہ کوشش تھی کہ مشرقی افریقہ، ہندوستان، انڈونیشیا وغیرہ ممالک اور رومی مقبوضات کے درمیان جس تجارت پر عرب صدیوں سے قابض چلے آرہے تھے، اُسے عربوں کے قبضے سے نکال کر وہ خود اپنے قبضے میں لے لے، تاکہ اُس کے منافع پورے

سکے پورے اسی کو حاصل ہوں اور عرب تاجروں کا واسطہ درمیان سے ہٹ جائے۔ اِس مقصد کے لیے ۲۴ ق م یا ۲۵ ق م قبلِ مسیح میں قیصر آگسٹس نے ایک بڑی فوج رومی جنرل ایلیس گالوس (AELIUS GALLUS) کی قیادت میں عرب کے مغربی ساحل پہ اتار دی تھی تاکہ وہ اُس بری راستے پر قابض ہو جائے جو جنوبی عرب سے شام کی طرف جاتا تھا۔ (اس شاہراہ کا نقشہ ہم نے تفہیم القرآن، جلد دوم میں صفحہ ۲۲ پر درج کیا ہے) لیکن عرب کے شدید جغرافی حالات نے اِس مہم کو ناکام کر دیا۔ اس کے بعد رومی اپنا جنگی بیڑہ بحرِ احمر میں لے آئے اور انہوں نے عربوں کی اُس تجارت کو ختم کر دیا جو وہ سمندر کے راستے کرتے تھے، اور صرف بری راستہ اُن کے لیے باقی رہ گیا۔ اِسی بری راستے کو قبضے میں لینے کے لیے انہوں نے حبش کی عیسائی حکومت سے گٹھ جوڑ کیا اور بحری بیڑے سے اُس کی مدد کر کے اُس کو یمن پر قابض کرا دیا۔

یمن پر جو حبشی فوج حملہ آور ہوئی تھی اس کے متعلق عرب مؤرخین کے بیانات مختلف ہیں۔ حافظ ابنِ کثیر نے لکھا ہے کہ وہ دو امیروں کی قیادت میں تھی، ایک اَریاط، دوسرا اَبرَہَہ۔ اور محمد بن اسحاق کی روایت ہے کہ اس فوج کا امیر اریاط تھا، اور اَبرَہہ اس میں شامل تھا۔ پھر دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ ابرہہ اور اریاط باہم لڑ پڑے، مقابلے میں اریاط مارا گیا، ابرہہ ملک پر قابض ہو گیا اور پھر اُس نے شاہِ حبش کو اِس بات پر راضی کر لیا کہ وہ اُسی کو یمن پر اپنا نائب مقرر کر دے۔ اِس کے برعکس یونانی اور سریانی مؤرخین کا بیان ہے کہ فتحِ یمن کے بعد جب حبشیوں نے مزاحمت کرنے والے یمنی سرداروں کو ایک ایک کر کے قتل کرنا شروع کر دیا تو اُن میں سے ایک سردار اَلسُّمَیفَعِ اَشْوَع (جسے یونانی مؤرخین ESYMPHAEUS لکھتے ہیں) نے حبشیوں کی اطاعت قبول کر کے اور جزیہ ادا کرنے کا عہد کر کے شاہ حبش سے یمن کی گورنری کا پروانہ حاصل کر لیا۔ لیکن حبشی فوج نے اُس کے خلاف بغاوت کر دی اور ابرہہ کو اس کی جگہ گورنر بنا دیا۔ یہ شخص حبش کی بندرگاہ اَدولیس کے ایک یونانی تاجر کا غلام تھا جو اپنی ہوشیاری سے یمن پر قبضہ کرنے والی حبشی فوج میں بڑا اثر و رسوخ حاصل کر گیا تھا۔ شاہ حبش نے اس کی سرکوبی کے لیے جو فوجیں بھیجیں وہ یا اس سے مل گئیں یا اس نے ان کو شکست دے دی۔ آخر کار شاہ حبش کے مرنے کے بعد اُس کے جانشین نے اس کو یمن پر اپنا نائب السلطنت تسلیم کر لیا (یونانی مؤرخین اس کو ابراہَس

ABRAMES اور سُریانی مؤرخین ابراہام ABRAHAM لکھتے ہیں۔ ابرہہ غالباً اسی کا حبشی تلفظ ہے)۔

یہ شخص رفتہ رفتہ یمن کا خود مختار بادشاہ بن گیا، مگر برائے نام اس نے شاہ حبش کی بالادستی تسلیم کر رکھی تھی اور اپنے آپ کو مُفَوَّض الملک (نائب شاہ) لکھتا تھا۔ اُس نے جو اثر و رسوخ حاصل کر لیا تھا اُس کا اندازہ اِس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ جب ۵۴۳ء میں وہ سدِ مارِب کی مرمّت سے فارغ ہوا تو اس نے ایک عظیم الشان جشن منایا جس میں قیصرِ روم، شاہِ ایران، شاہِ حیرہ اور شاہِ غسّان کے سُفرا شریک ہوئے۔ اِس کا مفصل تذکرہ اُس کتبے میں درج ہے جو ابرہہ نے سدِ مارب پر لگایا تھا۔ یہ کتبہ آج بھی موجود ہے اور گلیزر (GLASER) نے اس کو نقل کیا ہے (مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد چہارم، تفسیر سورہ سبا، حاشیہ ۳۷)۔

یمن میں پوری طرح اپنا اقتدار مضبوط کر لینے کے بعد ابرہہ نے اُس مقصد کے لیے کام شروع کر دیا جو اس مہم کی ابتدا سے رومی سلطنت اور اُس کے حلیف حبشی عیسائیوں کے پیشِ نظر تھا، یعنی ایک طرف عرب میں عیسائیت پھیلانا اور دوسری طرف اُس تجارت پر قبضہ کرنا جو بلادِ مشرق اور رومی مقبوضات کے درمیان عربوں کے ذریعہ سے ہوتی تھی۔ یہ ضرورت اِس بنا پر اور بڑھ گئی تھی کہ ایران کی ساسانی سلطنت کے ساتھ روم کی کشمکشِ اقتدار نے بلادِ مشرق سے رومی تجارت کے دوسرے تمام راستے بند کر دیئے تھے۔ ابرہہ نے اس مقصد کے لیے یمن کے دارالسلطنت صنعاء میں ایک عظیم الشان کلیسا تعمیر کرایا جس کا ذکر عرب مؤرخین نے اَلقَلِیس یا اَلقُلَّیس یا اَلقُلَّیس کے نام سے کیا ہے (یہ یونانی لفظ EKKLESIA کا معرّب ہے اور اردو کا لفظ کلیسا بھی اسی یونانی لفظ سے ماخوذ ہے)۔ محمد بن اسحاق کی روایت ہے کہ اس کام کی تکمیل کے بعد اُس نے شاہِ حبش کو لکھا کہ میں عربوں کا حج کعبہ سے اس کلیسا کی طرف موڑے بغیر نہ رہوں گا[1]۔ ابنِ کثیر نے لکھا ہے کہ اُس نے

---

[1] یمن پر سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے بعد عیسائیوں کی مسلسل یہ کوشش رہی کہ کعبہ کے مقابلے میں ایک دوسرا کعبہ بنائیں اور عرب میں اُس کی مرکزیت قائم کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے نجران میں بھی ایک کعبہ بنایا تھا جس کا ذکر ہم سُورۂ بروج حاشیہ ۴ میں کر چکے ہیں۔

یمن میں علی الاعلان اپنے اس ارادے کا اظہار کیا اور اس کی منادی کرا دی۔ اُس کی اس حرکت کا مقصد ہمارے نزدیک یہ تھا کہ عربوں کو غصہ دلائے تا کہ وہ کوئی ایسی کارروائی کریں جس سے اُس کو مکہ پر حملہ کرنے اور کعبے کو منہدم کر دینے کا بہانہ مل جائے۔ محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ اُس کے اس اعلان پر غضبناک ہو کر ایک عرب نے کسی نہ کسی طرح کلیسا میں گھس کر رفعِ حاجت کر ڈالی۔ ابنِ کثیر کہتے ہیں کہ یہ فعل ایک قریشی نے کیا تھا۔ اور مُقاتِل بن سُلیمان کی روایت ہے کہ قریش کے بعض نوجوانوں نے جا کر اس کلیسا میں آگ لگا دی تھی۔ اِن میں سے کوئی واقعہ بھی اگر پیش آیا ہو تو کوئی قابلِ تعجب امر نہیں ہے، کیونکہ ابرہہ کا یہ اعلان یقیناً سخت اشتعال انگیز تھا اور قدیم جاہلیت کے دور میں اس پر کسی عرب، یا قریشی کا، یا چند قریشی نوجوانوں کا مشتعل ہو کر کلیسا کو گندا کر دینا یا اس میں آگ لگا دینا کوئی ناقابلِ فہم بات نہیں ہے۔ لیکن یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ ابرہہ نے خود اپنے کسی آدمی سے خفیہ طور پر ایسی کوئی حرکت کرائی ہو تا کہ اُسے مکہ پر چڑھائی کرنے کا بہانہ مل جائے اور اس طرح وہ قریش کو تباہ اور تمام اہلِ عرب کو مرعوب کر کے اپنے دونوں مقصد حاصل کر لے۔ بہر حال دونوں صورتوں میں سے جو صورت بھی ہو، جب ابرہہ کے پاس یہ رپورٹ پہنچی کہ کعبے کے معتقدین نے اس کے کلیسا کی یہ توہین کی ہے تو اس نے قسم کھائی کہ مَیں اُس وقت تک چین نہ لوں گا جب تک کعبے کو ڈھا نہ دُوں۔

اِس کے بعد وہ ۵۷۰ء یا ۵۷۱ء میں ۶۰ ہزار فوج اور ۱۳ ہاتھی (اور بروایت بعض ۹ ہاتھی) لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں پہلے یمن کے ایک سردار ذُونَفَر نے عربوں کا ایک لشکر جمع کر کے اس کی مزاحمت کی، مگر وہ شکست کھا کر گرفتار ہو گیا۔ پھر خَثعَم کے علاقے میں ایک عرب سردار نُفَیل بن حبیب خثعمی اپنے قبیلے کو لے کر مقابلے پر آیا، مگر وہ بھی شکست کھا کر گرفتار ہو گیا اور اس نے اپنی جان بچانے کے لیے بدرقے کی خدمت انجام دینا قبول کر لیا۔ طائف کے قریب پہنچا تو بنی ثقیف نے محسوس کیا کہ اتنی بڑی طاقت کا وہ مقابلہ نہ کر سکیں گے، اور ان کو خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں وہ اُن کے معبود لات کا مندر بھی تباہ نہ کر دے۔ چنانچہ اُن کا سردار مسعود ایک وفد لے کر ابرہہ سے ملا اور اس نے کہا کہ ہمارا بُت کدہ وہ معبد نہیں ہے جسے آپ ڈھانے آئے ہیں، وہ تو مکہ میں ہے، اس لیے آپ ہمارے معبد کو چھوڑ دیں، ہم مکہ کا راستہ بتانے کے لیے آپ کو بدرقہ فراہم کیے دیتے ہیں۔ ابرہہ نے یہ بات قبول کر لی اور بنی ثقیف نے ابو رِغال نامی ایک آدمی کو اس

کے ساتھ کر دیا۔ جب مکّہ تین کوس رہ گیا تو المُغَمَّس (یا المُغَمِّس) نامی مقام پر پہنچ کر ابو رغال مرگیا اور عرب مُدّتوں تک اس کی قبر پر سنگ باری کرتے رہے۔ بنی ثقیف کو بھی وہ سالہا سال تک طعنے دیتے رہے کہ اُنہوں نے لات کے مندر کو بچانے کے لیے بیتُ اللہ پر حملہ کرنے والوں سے تعاون کیا۔

محمد بن اسحاق کی روایت ہے کہ المغمس سے ابرہہ نے اپنے مقدمۃ الجیش کو آگے بڑھایا اور وہ اہلِ تہامہ اور قریش کے بہت سے مویشی لُوٹ لے گیا جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے دادا عبدالمُطَّلب کے بھی دو سو اونٹ تھے۔ اس کے بعد اس نے اپنے ایک ایلچی کو مکّہ بھیجا اور اس کے ذریعہ سے اہلِ مکّہ کو یہ پیغام دیا کہ مَیں تم سے لڑنے نہیں آیا ہوں بلکہ اس گھر (کعبہ) کو ڈھانے آیا ہوں۔ اگر تم نہ لڑو تو میں تمہاری جان و مال سے کوئی تعرّض نہ کروں گا نیز اس نے اپنے ایلچی کو ہدایت کی کہ اہلِ مکّہ اگر بات کرنا چاہیں تو اُن کے سردار کو میرے پاس لے آنا۔ مکّے کے سب سے بڑے سردار اُس وقت عبدالمطلب تھے۔ ایلچی نے ان سے مل کر ابرہہ کا پیغام پہنچایا۔ انہوں نے کہا کہ ہم میں ابرہہ سے لڑنے کی طاقت نہیں ہے۔ یہ اللہ کا گھر ہے۔ وہ چاہے گا تو اپنے گھر کو بچائے گا۔ ایلچی نے کہا کہ آپ میرے ساتھ ابرہہ کے پاس چلیں۔ وہ اس پر راضی ہو گئے اور اس کے ساتھ چلے گئے۔ وہ اس قدر وجیہ اور شاندار شخص تھے کہ ان کو دیکھ کر ابرہہ بہت متاثر ہوا اور اپنے تخت سے اُتر کر ان کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ پھر پوچھا کہ آپ کیا چاہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ میرے جو اونٹ پکڑ لیے گئے ہیں وہ مجھے واپس دے دیے جائیں۔ ابرہہ نے کہا کہ آپ کو دیکھ کر تو میں بہت متاثر ہوا تھا، مگر آپ کی اس بات نے آپ کو میری نظر سے گرا دیا کہ آپ اپنے اونٹوں کا مطالبہ کر رہے ہیں اور یہ گھر جو آپ کا اور آپ کے دینِ آبائی کا مرجع ہے، اس کے بارے میں کچھ نہیں کہتے۔ انہوں نے کہا میں تو صرف اپنے اونٹوں کا مالک ہوں اور انہی کے بارے میں آپ سے درخواست کر رہا ہوں۔ رہا یہ گھر، تو اس کا ایک رب ہے، وہ اس کی حفاظت خود کرے گا۔ ابرہہ نے جواب دیا وہ اس کو مجھ سے نہ بچا سکے گا۔ عبدالمطلب نے کہا آپ جانیں اور وہ جانے۔ یہ کہہ کر وہ ابرہہ کے پاس سے اُٹھ آئے اور اُس نے اُن کے اونٹ واپس کر دیے۔

ابنِ عباسؓ کی روایت اس سے مختلف ہے۔ اُس میں اونٹوں کے مطالبے کا کوئی ذکر نہیں

ہے۔ عبد بن حُمَید، ابن المُنذِر، ابن مَردُوْیَہ، حاکم، ابو نُعیم اور بَیہقی نے اُن سے جو روایات نقل کی ہیں اُن میں وہ بیان کرتے ہیں کہ جب ابرہہ الصِّفَاح کے مقام پر پہنچا (جو عَرفات اور طائف کے پہاڑوں کے درمیان حدودِ حَرَم کے قریب واقع ہے)، تو عبدالمطلب خود اُس کے پاس گئے اور اس سے کہا آپ کو یہاں تک آنے کی کیا ضرورت تھی؟ آپ کو اگر کوئی چیز مطلوب تھی تو ہمیں کہلا بھیجتے، ہم خود لے کر آپ کے پاس حاضر ہو جاتے۔ اس نے کہا کہ مَیں نے سنا ہے کہ یہ گھر امن کا گھر ہے، مَیں اس کا امن ختم کرنے آیا ہوں۔ عبدالمطلب نے کہا یہ اللہ کا گھر ہے، آج تک اُس نے کسی کو اِس پر مسلّط نہیں ہونے دیا ہے۔ ابرہہ نے جواب دیا ہم اسے منہدم کیے بغیر نہ پلٹیں گے۔ عبدالمطلب نے کہا آپ جو کچھ چاہیں ہم سے لے لیں اور واپس چلے جائیں۔ مگر ابرہہ نے انکار کر دیا اور عبدالمطلب کو پیچھے چھوڑ کر اپنے لشکر کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔

دونوں روایتوں کے اِس اختلاف کو اگر ہم اپنی جگہ رہنے دیں اور کسی کو کسی پر ترجیح نہ دیں تو ان میں سے جو صورت بھی پیش آئی ہو، بہر حال یہ امر بالکل واضح ہے کہ مکہ اور اس کے آس پاس کے قبائل اتنی بڑی فوج سے لڑ کر کعبے کو بچانے کی طاقت نہ رکھتے تھے۔ اس لیے یہ بالکل قابلِ فہم بات ہے کہ قریش نے اُس کی مزاحمت کی کوئی کوشش نہ کی۔ قریش کے لوگ تو جنگِ احزاب کے موقع پر مشرک اور یہودی قبائل کو ساتھ ملا کر زیادہ سے زیادہ دس بارہ ہزار کی جمعیت فراہم کر سکے تھے۔ وہ ۶۰ ہزار فوج کا مقابلہ کیسے کر سکتے تھے۔

محمد بن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ ابرہہ کی لشکر گاہ سے واپس آکر عبدالمطلب نے قریش والوں سے کہا کہ اپنے بال بچوں کو لے کر پہاڑوں میں چلے جائیں تاکہ ان کا قتلِ عام نہ ہو جائے۔ پھر وہ اور قریش کے چند سردار حَرَم میں حاضر ہوئے اور کعبے کے دروازے کا کنڈا پکڑ کر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگیں کہ وہ اپنے گھر اور اُس کے خادموں کی حفاظت فرمائے۔ اُس وقت خانۂ کعبہ میں ۳۶۰ بُت موجود تھے، مگر یہ لوگ اُس نازک گھڑی میں اُن سب کو بھول گئے اور انہوں نے صرف اللہ کے آگے دستِ سوال پھیلایا۔ اُن کی جو دعائیں تاریخوں میں منقول ہوئی ہیں ان میں اللہ واحد کے سوا کسی دوسرے کا نام تک نہیں پایا جاتا۔ ابنِ ہشام نے سیرت میں عبدالمطلب کے جو اشعار نقل کیے ہیں وہ یہ ہیں:

لا ھُمّ ان العبد یمنع رحلہ فامنع حِلالك

خدایا! بندہ اپنے گھر کی حفاظت کرتا ہے، تو بھی اپنے گھر کی حفاظت فرما۔

لا یغلبنّ صلیبھم ومحالھم غدواً محالك

کل اُن کی صلیب اور اُن کی تدبیر تیری تدبیر کے مقابلے میں غالب نہ آنے پاتے۔

ان کنت تارکھم وقبلتنا فامر ما بدالك

اگر تو ان کو اور ہمارے قبلے کو اپنے حال پر چھوڑ دینا چاہتا ہے تو جو تو چاہے کر۔
سُہیلی نے روض الانف میں اس سلسلے کا یہ شعر بھی نقل کیا ہے:

وانصر علیٰ ال الصلیب وعابدیہ الیوم آلك

صلیب کی آل اور اس کے پرستاروں کے مقابلے میں آج اپنی آل کی مدد فرما۔

ابن جریر نے عبدالمطلب کے یہ اشعار بھی نقل کیے ہیں جو اس موقع پر دعا مانگتے ہوئے انہوں نے پڑھے تھے:

یا ربِّ لا ارجو لھم سواکا یا ربّ فامنع منھم حِماکا

اَے میرے رب تیرے سوا میں اُن کے مقابلے میں کسی سے اُمید نہیں رکھتا۔ اَے میرے رب ان سے اپنے حرم کی حفاظت کر۔

ان عدوّ البیت من عاداکا امنعھم ان یخربوا قراکا

اِس گھر کا دشمن تیرا دشمن ہے۔ اپنی بستی کو تباہ کرنے سے ان کو روک۔

یہ دعائیں مانگ کر عبدالمطلب اور ان کے ساتھی بھی پہاڑوں میں چلے گئے، اور دوسرے روز ابرہہ مکے میں داخل ہونے کے لیے آگے بڑھا۔ مگر اُس کا خاص ہاتھی محمود، جو آگے آگے تھا یکایک بیٹھ گیا۔ اس کو بہت تبر مارے گئے، آنکسوں سے کچوکے دیئے گئے، یہاں تک کہ اسے زخمی کر دیا گیا، مگر وہ نہ ہلا۔ اُسے جنوب، شمال، مشرق کی طرف موڑ کر چلانے کی کوشش کی جاتی تو وہ دوڑنے لگتا، مگر مکے کی طرف موڑا جاتا تو وہ فوراً بیٹھ جاتا اور کسی طرح آگے بڑھنے کے لیے تیار نہ ہوتا۔ اتنے میں پرندوں کے جھنڈ اپنی چونچوں اور پنجوں میں سنگریزے لیے ہوئے بحرِ احمر کی طرف سے آئے اور انہوں نے اس لشکر پر سنگریزوں کی بارش کر دی جس پر بھی یہ کنکر گرتے اُس کا جسم گلنا شروع ہو جاتا۔ محمد بن اسحاق اور عکرمہ کی روایت ہے کہ یہ

چیچک کا مرض تھا اور بلادِ عرب میں سب سے پہلے چیچک اسی سال دیکھی گئی۔ ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ جس پر کوئی کنکری گرتی اسے سخت کھجلی لاحق ہو جاتی اور کھجاتے ہی جلد پھٹتی اور گوشت جھڑنا شروع ہو جاتا۔ ابن عباس کی دوسری روایت یہ ہے کہ گوشت اور خون پانی کی طرح بہنے لگتا اور ہڈیاں نکل آتی تھیں۔ خود ابرہہ کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ اُس کا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر رہا تھا اور جہاں سے کوئی ٹکڑا گرتا وہاں سے پیپ اور لہو بہنے لگتا۔ افراتفری میں ان لوگوں نے یمن کی طرف بھاگنا شروع کیا۔ نُفَیل بن حبیب خَثعَمی کو، جسے یہ لوگ بدرقہ بنا کر بلادِ خَثعَم سے پکڑ لائے تھے، تلاش کر کے انہوں نے کہا کہ واپسی کا راستہ بتائے۔ مگر اُس نے صاف انکار کر دیا اور کہا:

این المفر والالٰہ الطالب والاشرم المغلوب لیس الغالب

اب بھاگنے کی جگہ کہاں ہے جبکہ خدا تعاقب کر رہا ہے اور نکٹا ابرہہ مغلوب ہے، غالب نہیں ہے۔ اس بھگدڑ میں جگہ جگہ یہ لوگ گر گر کر مرتے رہے۔ عطاء بن یسار کی روایت ہے کہ سب کے سب اُسی وقت ہلاک نہیں ہو گئے، بلکہ کچھ تو وہیں ہلاک ہوئے اور کچھ بھاگتے ہوئے راستے بھر گرتے چلے گئے۔ ابرہہ بھی بلادِ خَثعَم پہنچ کر مرا[1]۔

یہ واقعہ مُزدَلِفہ اور مِنیٰ کے درمیان وادیٔ مُحَصَّب کے قریب مُحَسِّر کے مقام پر پیش آیا تھا۔ صحیح مسلم اور ابوداؤد کی روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجۃ الوداع کا جو قصہ امام جعفر صادق نے اپنے والد ماجد امام محمد الباقر سے اور انہوں نے حضرت جابر بن عبداللہ سے نقل کیا ہے اس میں وہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مُزدَلِفہ سے منیٰ کی طرف چلے تو مُحَسِّر کی وادی میں آپ نے رفتار تیز کر دی۔ امام نَوَوِی اس

---

[1] اللہ تعالیٰ نے حبشیوں کو صرف یہی سزا دینے پر اکتفا نہ کیا، بلکہ تین چار سال کے اندر یمن سے حبشی اقتدار ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعۂ فیل کے بعد یمن میں اُن کی طاقت بالکل ٹوٹ گئی، جگہ جگہ یمنی سردار علمِ بغاوت لے کر اٹھ کھڑے ہوئے، پھر ایک یمنی سردار سیف بن ذی یَزَن نے شاہِ ایران سے فوجی مدد طلب کر لی اور ایران کی صرف ایک ہزار فوج جو چھ جہازوں کے ساتھ آئی تھی، حبشی حکومت کا خاتمہ کر دینے کے لیے کافی ہو گئی۔ یہ ۵۷۵ء کا واقعہ ہے۔

کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اصحاب الفیل کا واقعہ اسی جگہ پیش آیا تھا، اس لیے سنّت یہی ہے کہ آدمی یہاں سے جلدی گزر جائے۔ مؤطا میں امام مالک روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا کہ مزدلفہ پورا کا پورا ٹھیرنے کا مقام ہے، مگر محسّر کی وادی میں نہ ٹھیرا جائے نُفیل بن حبیب کے جو اشعار ابن اسحاق نے نقل کیے ہیں ان میں وہ اِس واقعہ کا آنکھوں دیکھا حال بیان کرتا ہے۔

رُدَینۃُ لو رایتِ ولا تَریہ لدیٰ جنب المحصّب ما رأینا

اے رُدینہ کاش تو دیکھتی، اور تو نہیں دیکھ سکے گی جو کچھ ہم نے وادیٔ محصّب کے قریب دیکھا۔

حمدتُ اللّٰہ اذا بصرت طیوراً وخفت حجارۃ تلقیٰ علینا

میں نے اللہ کا شکر کیا جب مَیں نے پرندوں کو دیکھا اور مجھے ڈر لگ رہا تھا کہیں پتھر ہم پر نہ آپڑیں۔

وکل القوم یسئال عن نفیل کأنّ علیّ للحبشان دَینا

ان لوگوں میں سے ہر ایک نُفیل کو ڈھونڈ رہا تھا، گویا کہ میرے اُوپر حبشیوں کا کوئی قرض آتا تھا۔

یہ اتنا بڑا واقعہ تھا جس کی تمام عرب میں شہرت ہوگئی اور اس پر بہت سے شعراء نے قصائد کہے۔ ان قصائد میں یہ بات بالکل نمایاں ہے کہ سب نے اسے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اعجاز قرار دیا اور کہیں اشارۃً وکنایۃً بھی یہ نہیں کہا کہ اس میں اُن بتوں کا بھی کوئی دخل تھا جو کعبہ میں پُوجے جاتے تھے۔ مثال کے طور پر عبداللہ ابن الزِبَعریٰ کہتا ہے:

ستون الفا لم یؤبوا ارضہم ولم یعش بعد الایاب سقیمہا

۶۰ ہزار تھے جو اپنی سرزمین کی طرف واپس نہ جاسکے اور نہ واپس ہونے کے بعد ان کا بیمار (ابرہہ) زندہ رہا۔

کانت بہا عاد وجرہم قبلہم واللّٰہ من فوق العباد یقیمہا

یہاں ان سے پہلے عاد اور جُرہم تھے۔ اور اللہ بندوں کے اوپر موجود ہے جو اسے قائم رکھے ہوئے ہے

ابوقیس بن اسلت کہتا ہے:

فقوموا فصلّوا ربّکم وتمسّحوا بارکان ھٰذا البیت بین الاخاشب

اُٹھو اور اپنے رب کی عبادت کرو اور مکہ و منیٰ کی پہاڑیوں کے درمیان بیت اللہ کے کونوں کو مسح کرو۔

فلمّا اتاکم نصر ذی العرش ردّھم جنود الملیک بین ساف و حاصب

جب عرش والے کی مدد تمہیں پہنچی تو اس بادشاہ کے لشکروں نے ان لوگوں کو اس حال میں پھیر دیا کہ کوئی خاک میں پڑا تھا اور کوئی سنگسار کیا ہوا تھا۔

یہی نہیں بلکہ حضرت اُمِّ ھانی اور حضرت زُبیر بن العوّام کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قریش نے ۱۰ سال (اور بروایتِ بعض سات سال) تک اللہ وحدہٗ لاشریک کے سوا کسی کی عبادت نہ کی۔ امِّ ہانی کی روایت امام بخاریؒ نے اپنی تاریخ میں اور طبرانی، حاکم، ابن مردُویہ اور بیہقی نے اپنی کتبِ حدیث میں نقل کی ہے۔ حضرت زُبیر کا بیان طبرانی اور ابن مردُویہ اور ابنِ عساکر نے روایت کیا ہے۔ اور اس کی تائید مزید حضرت سعید بن المسیّب کی اُس مُرسَل روایت سے ہوتی ہے جو خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں درج کی ہے۔

جس سال یہ واقعہ پیش آیا، اہلِ عرب اُسے عام الفیل (ہاتھیوں کا سال) کہتے ہیں، اور اُسی سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ مبارکہ ہوئی۔ محدّثین اور مؤرخین کا اس بات پر قریب قریب اتفاق ہے کہ اصحاب الفیل کا واقعہ محرّم میں پیش آیا تھا اور حضورؐ کی ولادت ربیع الاوّل میں ہوئی تھی۔ اکثریت یہ کہتی ہے کہ آپ کی ولادت واقعۂ فیل کے ۵۰ دن بعد ہوئی۔

مقصودِ کلام جو تاریخی تفصیلات اوپر درج کی گئی ہیں ان کو نگاہ میں رکھ کر سورۂ فیل پر غور کیا جائے تو یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آ جاتی ہے کہ اس سورہ میں اس قدر اختصار کے ساتھ صرف اصحاب الفیل پر اللہ تعالیٰ کے عذاب کا ذکر کر دینے پر کیوں اکتفا کیا گیا ہے۔ واقعہ کچھ بہت پرانا نہ تھا۔ مکے کا بچہ بچہ اس کو جانتا تھا۔ عرب کے لوگ عام طور پر اس سے واقف تھے۔ تمام اہلِ عرب اس بات کے قائل تھے کہ ابرہہ کے اس حملے سے کعبے کی حفاظت کسی دیوی یا دیوتا نے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے کی تھی۔ اللہ ہی سے قریش کے سرداروں نے مدد کے لیے دعائیں مانگی تھیں۔ اور چند سال تک قریش کے لوگ اس واقعہ سے اس قدر متاثر رہے تھے کہ انہوں نے اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کی تھی۔ اس لیے سورۂ فیل میں ان تفصیلات

کے ذکر کی حاجت نہ تھی، بلکہ صرف اِس واقعے کو یاد دلانا کافی تھا، تاکہ قریش کے لوگ خصوصاً، اور اہلِ عرب عموماً، اپنے دلوں میں اس بات پر غور کریں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم جس چیز کی طرف دعوت دے رہے ہیں وہ آخر اس کے سوا اور کیا ہے کہ تمام دوسرے معبودوں کو چھوڑ کر صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کی جائے، نیز وہ یہ بھی سوچ لیں کہ اگر اِس دعوتِ حق کو دبانے کے لیے اُنہوں نے زور زبردستی سے کام لیا تو جس خدا نے اصحاب الفیل کا تہس نہس کیا تھا اسی کے عقاب میں وہ گرفتار ہوں گے۔

قرآن مجید

وہ عظیم المرتبت کتاب جو ملّتِ اسلامی کے وجود کی محافظ ہے اور جس کا محافظ خود خدا ہے

مگر دورِ حاضر میں

پاکستان کے محققِ جلیل جناب مولانا ظفر اقبال کی تیس ۳۰ سالہ عرق ریزی اور تحقیق کے بعد پیکیجز لمیٹڈ کی طرف سے شائع ہونے والا تجویدی قرآن مجید اپنی مثال نہیں رکھتا

آرٹ پیپر، اعلیٰ دو رنگی طباعت، جلی حروف، مع پلاسٹک کور اور خوشنما ڈبے میں بند

سائز ۲۰ × ۳۰ صفحات ۱۰۳۴ - ہدیہ صرف ۳۲ روپے

ڈاک خرچ بذمہ ادارہ

تجویدی قرآن مجید حاصل کرنے کے لیے

فون نمبر ۵۱۱۵۰۷

ادارۂ ترجمان القرآن، اچھرہ۔ لاہور کو آرڈر دیجیے